اسپورٹس شو

ڈاکٹر وسیم صدیقی
10/8th Road North
Ahmadi-61008
(Kuwait)

آج کل اقبال صاحب بہت خوبصورت Sport Shoe پہن کر ٹہلتے تھے۔ جوتا بہت آرام دہ تھا۔ یہ جوتا وہ اپنے بیٹے کے لیے لائے تھے جو بارہویں جماعت کا طالب علم تھا۔ اس نے وہ جوتا دو تین دن پہنا لیکن وہ اس کو بہت تنگ لگا۔ کیونکہ پہن کر گھوم لیا تھا۔ اس لیے واپس بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ لیکن وہ جوتا اقبال صاحب کو بالکل فٹ آ گیا تھا بالکل جیسے انہیں کی ناپ کا ہو۔ اقبال صاحب بہت سادہ طبیعت کے انسان تھے۔ کوئی مہنگی چیز پہننا ان کو پسند نہیں تھا لیکن اس جوتے کو وہ بہت Enjoy کر رہے تھے۔ پہلے تو انہیں بہت اچھا سا لگا کیونکہ جوتا بہت ہی فینسی تھا۔ اس پر نیلی اور پیلی پٹیاں بنی ہوئی تھیں لیکن اب اسے باقاعدگی سے پہن کر ٹہلنے نکلتے تھے۔ وہ سوچ رہے تھے کہ جوتا بہت آرام دہ ہے اسی لیے بہت مہنگا ہے۔ Nike Brand کا جوتا چار ہزار روپیہ میں ملا تھا۔ ان کا معمول تھا مغرب کی نماز پڑھنے مسجد جاتے تھے اور اس کے بعد پھر عشاء کی نماز پڑھ کر گھر واپس آتے تھے۔ ان کا Imported جوتا گاڑی کے بوٹ میں رکھا رہتا تھا۔ جب ٹہلنے جاتے تھے تو نکال کر پہن لیتے تھے۔ مغرب اور عشا کے درمیان وہ ٹہلتے تھے اور ان کی کار وہیں مسجد کے باہر پارکنگ میں کھڑی رہتی تھی۔ اکثر عشا کی نماز کے بعد مسجد کے پھاٹک کے باہر کھڑے کھڑے دوسرے دوستوں سے تھوڑی بہت گپ شپ بھی کرلیا کرتے تھے۔

آج نماز کے بعد وہ مسجد کے باہر اپنے دوستوں سے بات چیت کر رہے تھے۔ کوئی گرما گرم ٹاپک نکل آیا تھا۔ بات کرنے میں کافی دیر ہو گئی تھی۔ اب وہ اپنی کار کی طرف جا رہے تھے تب ہی انہیں ایک نوجوان کچھ پریشان سا نظر آیا جیسے ادھر اُدھر کچھ ڈھونڈ رہا ہو۔ کوئی اور ہوتا تو کوئی نوٹس نہیں لیتا لیکن کیونکہ اقبال صاحب بہت دردمند قسم کے انسان تھے۔ اس لیے اس نوجوان سے پوچھا کیا بات ہے کچھ پریشان سے لگتے ہو۔ جناب میرا جوتا کسی نے چرا لیا۔ ارے اقبال صاحب نے افسوس جتایا۔ یہاں اس طرح کے واقعات تو ہوتے نہیں۔ آج تک نہیں سنا کہ کسی کا جوتا چوری ہوا ہو۔ ہو سکتا ہے کوئی غلطی سے پہن گیا ہوگا۔ واپس لیتا آئے گا کل نماز میں آکر چیک کرلو انہوں نے اس نوجوان کو مشورہ دیا تھا۔ سر میں یہاں نہیں رہتا۔ باہر سے آیا ہوں یہاں مسجد کے پاس سے گزر رہا تھا۔ نماز کا وقت ہو گیا تھا۔ اس لیے نماز پڑھنے کے لیے رک گیا۔ رات کی بس سے واپس چلا جاؤں گا۔ اب وہ جوتا مجھے نہیں مل سکتا بہت مہنگا جوتا تھا۔ وہ کچھ روہانسا سا ہو گیا۔ کس طرح کا جوتا تھا اقبال صاحب نے اس سے پوچھا تھا۔ سر بالکل آپ جیسا جوتا تھا اسنے کچھ جھجکتے ہوئے جواب دیا تھا۔ لیکن سر یہ تو برانڈ شو ہوتے ہیں ایک ہی طرح کے بہت سارے، اس نے کہا۔ اقبال صاحب اسے بالکل کوئی جوتا چور ٹائپ کے آدمی نہیں لگ رہے تھے۔ تم اب کیسے جاؤ گے۔ تمہارے پاس تو پہننے کو کچھ نہیں ہے۔ سر یہاں وضو کے لیے پلاسٹک کی چپلیں پڑی ہیں کوئی بھی پہن لوں گا۔ نہیں ایسا کرو تم میرا جوتا لے لو میری کار میں دوسرا جوتا پڑا ہوا ہے میں اسے پہن لوں گا۔ اقبال صاحب اپنا جوتا اتارنے لگے تھے۔ نہیں سر یہ نہیں ہو سکتا آپ کیوں اپنا نقصان کریں۔ اچھا چلو تو میں کار سے نکالکر دوسرا جوتا تم کو دے دیتا ہوں وہ بہت سستا جوتا ہے۔ لیکن اقبال صاحب کے بہت اصرار کرنے کے بعد بھی وہ لڑکا جوتا لینے کے لیے تیار نہیں ہوا۔ اقبال صاحب نے کہا اچھا تو ایسا کرو تھوڑی دیر یہیں انتظار کرو۔ ہو سکتا ہے کوئی غلطی سے پہن کر چلا گیا ہو کیا پتہ ابھی واپس کرنے آ جائے۔ جی بہت بہتر ایسا ہی کروں گا۔ اس لڑکے نے جواب دیا تھا۔ اقبال صاحب نے کار اسٹارٹ کی اور گھر واپس چل دیے اس لڑکے کا جوتا چوری ہونے کا انہیں بہت افسوس ہوا تھا کیونکہ انہیں ایسے جوتے کی قیمت معلوم تھی۔ گھر پہنچنے میں انہیں تھوڑی دیر ہو گئی کیونکہ راستے میں Book Store کے پاس گاڑی کھڑی کر کے انہوں نے کچھ کتابیں خریدی تھیں۔ گھر پہنچ کر انہوں نے پورٹیکو میں گاڑی کھڑی کی اور اپنا Sports Shoe اتار کر کار کا بوٹ کھول کر اس میں رکھنے لگے۔ یہ کیا وہ بہت زور سے چونک گئے۔ ان کا Sport show تو پہلے ہی سے ان کے کار کے بوٹ میں رکھا تھا۔ ارے وہ اس لڑکے کا جوتا پہن کر آ گئے۔ وہ کار میں بیٹھ کر دوبارہ مسجد کی طرف آگئے تھے۔ اس لڑکے کا دور دور کہیں پتہ نہیں تھا۔

●●

افسانچے

ڈاکٹر عظیم راہی
4-11-44/279 کریم کالونی
روشن گیٹ۔ اورنگ آباد۔ 431001
(مہاراشٹر)

بے مصرف چینل

گھر میں پہلے پہل صرف بلیک اینڈ وہائٹ ٹی وی تھا—

بچے فیقل چینل دیکھا کرتے تھے۔ بعد میں گھر میں پھر کلر ٹی وی آ گیا۔ اور اس کے ساتھ ہی ٹی وی چینلوں کا گھر میں سیلاب چلا آیا—

ٹی وی کیبل کے بڑھتے ان چینلوں کے ساتھ بچے جلد بڑے ہونے لگے—اور کچھ ہی عرصہ میں ایسا لگا۔ جیسے بچے جوان ہو گئے اور ان کے سامنے میں بالکل بوڑھا—اور پھر رفتہ رفتہ—ٹی وی کا ریموٹ ہی نہیں گھر کا ریموٹ بھی جیسے بچوں کے ہاتھ میں آ گیا۔ اور میں ٹی وی کا پرانا، غیر مقبول اور بے مصرف چینل بن کر رہ گیا۔!

خدشہ

اسے دوست نما دشمن، رقیب روسیاہ، دو رخے شخص اور منافقت رکھنے والے ہر اس آدمی سے نفرت سی رہی ہے جس کا ظاہر کچھ اور باطن کچھ اور ہے—

لیکن اب کیا کہا جائے کہ ایسے لوگوں کے ساتھ دن رات رہنا پڑتا ہے۔ ان ہی کے ساتھ زندگی گزر رہی ہے۔ لیکن ایسے میں اب وہ اکثر سوچتا ہے کہ وہ خود سے یہ امید رکھ سکتا ہے؟!—اسے دن رات اب یہ خدشہ لگا رہتا ہے کہ اس ماحول میں رہ کر کہیں وہ بھی ایسا نہ ہو جائے—!

●●